وجودِ حجتؑ

قسط-۷

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ

غیبت امام کا فلسفہ

امن وامان کی حفاظت

''امن وامان'' خوشگوار مفہوم ہے، دنیا کی تمام متمدن ومہذب قومیں اس کی دل سے طالب ہیں اور اس کو عالم کے صبر وسکون اور اطمینان کا ذریعہ خیال کرتی ہیں، روزانہ ایسے لائحۂ عمل بنائے جاتے ہیں جن کے ذریعہ دنیا سے جنگ وبے امنی کا خاتمہ ہو اور امن وامان کا دور دورہ ہو جائے۔

سلطنتی معاہدے مجلس اقوام کی تشکیل اور تخفیف قوائے حربیہ کی تحریک ان سب کا مقصد ایک اور نصب العین متحد ہے اور وہ وہی امن وامان ہے لیکن جہاں تک حالات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے یہ تمام تجویزیں صرف اسمی ورسمی حیثیت رکھتی ہیں جن کو شرمندہ معنی نہیں سمجھا جا سکتا۔ وہ مقصد جس کے حصول کے لئے یہ تمام صورتیں اختیار کی جاتی ہیں بہت دور ہے، بلکہ اس کے خلاف سلطنتوں کے باہمی رشک ورقابت میں اضافہ ہی ہو رہا ہے اور وہ وقت دور نہیں جب یہ تمام کاغذی معاہدے اور تجویزیں رڈی کی ٹوکری کا حصہ ہو جائیں اور انہی متمدن حکومتوں کے اندر ایسی آویزش ہو جو جنگ عظیم کے واقعات کو وقف طاق نسیان بنا دے۔ یہ سب آخر کیوں؟ اسلئے کہ ظاہر باطن کا آئینہ دار اور اعضاء وجوارح نفس ناطقہ یا ضمیر کے فرماں بردار ہوتے ہیں جب تک دلوں میں خودغرضی، خودخواہی، خود پروری کے جذبات کارفرما ہیں، اپنے مفاد کی مقابل دوسرے کی اہم سے اہم ضرورت کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی، جہانداری وجہاں بانی کا شوق غالب ہے اور توسیع مملکت کا خیال سر کے اندر موجود ہے، ظاہری طاقت وجبروت کا غرور کمزوروں کی ذرا سی بات کو بڑا اور اپنے بڑے سے بڑے جرم کو چھوٹا دکھلانے پر تیار ہے۔ اس وقت تک دنیا حقیقی امن وامان سے دوچار نہیں ہوسکتی اور نہ اس میں سکون واطمینان کا دور دورہ ہوسکتا ہے، یہاں اگر کچھ دن کے لئے ظاہری سمجھوتوں کی بنا پر فضا میں سکون نظر آئے بھی تو وہ بالکل عارضی ہے کیونکہ وہ نفسانی خواہشات کے پُرطاقت جھگڑوں کا مقابلہ نہ کر سکے گا جو آندھی کی صورت سے آنے والے ہیں۔

اسلام دنیا میں امن وامان کا پیغام لے کر آیا تھا اور عین اس وقت کہ جب عربستان جنگ آزمائی وفتنہ خیزی کا آماجگاہ تھا اور بات بات پر لڑ مرنا اور اپنے اور دوسرے کے خون کو ایک کرنا ان کی طبیعت وفطرت کا جز واعظم بنا ہوا تھا اسلام ہی تھا کہ جو اتحاد واتفاق اور رواداری وعافیت پروری کا سبق دے رہا تھا اور مختلف طاقتوں کو سلسلۂ تنظیم میں یکجہت اور ہم آہنگ بنا کر عالم میں وحدت ومساوات کے اصول کی نشر واشاعت میں مصروف تھا لیکن پیغمبر اسلام کے بعد مسلمانوں کی زمام اصلاح وتربیت جن بااقتدار ہاتھوں میں

گئی وہ خود ان جذبات سے بلند نہ تھے کہ جو دنیا کے امن وامان کے واسطے بادسموم اور سم قاتل ہیں اور وہ اسلامی تعلیمات کے اصلی جوہر کو بھی پورے طور پر پہچان نہ سکے تھے اس لئے انھوں نے اس کی ترقی کثرت فتوحات اور تسخیر ممالک میں مضمر سمجھی اور بزور شمشیر لوگوں کو اس کا پابند بنا کر اس کی مردم شماری میں اضافہ کیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آج اس دور تمدن وتہذیب میں جب کہ دنیا زبان سے ''امن وامان'' کی نام لیوا ضرور ہے چاہے عمل سے وہ کامیاب طریقہ پر اس کی پابند نہ ہو سکے اسلام کو امن وامان کا دشمن اور اس کی ترقی واشاعت کو خونریزی وامن سوزی کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے جو اس پر ناروا الزام کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کے لگائے جانے کی ذمہ داری خود اسلامی افراد کے سر عائد ہوتی ہے۔

ائمہ اہلبیتؑ جو حقیقۃً روحانیت اسلام کے محافظ اور اس کے اسرار حقانیت کے حامل تھے انھوں نے اپنے طرز عمل میں ہمیشہ اس جوہر کی کامل نگہداشت کی جو شخص ان کی تاریخ زندگی میں عمیق نظر کرے اس کو پتہ چلے گا کہ انھوں نے اپنی حیات کے ہر دور میں فتنہ وفساد کے شعلوں کو خاموش اور امن وامان کو قائم رکھنے کی جدوجہد کی، انھوں نے اس کی خاطر اپنے حقوق سے ہاتھ دھوئے، مصائب برداشت کئے، تکلیفیں سہیں، مظالم جھیلے لیکن کسی ایسے اقدام سے گریز کیا جو اختلاف انگیزی وفتنہ خیزی کا موجب ہو، انھوں نے اس اہم پہلو کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھا کہ ہم پر جو کچھ گذر جائے اور جو صورتیں بھی پیش آئیں لیکن ملک کی فضا مکدر نہ ہو اور اس کے سکون واطمینان میں دھچکا نہ لگے ان کی زندگی کا اصول اساسی عدم تشدد اور ظلم واستبداد کے مقابلہ میں مظلومیت ومقہوریت تھا جس کے ساتھ وہ اپنے حقیقی مقاصد کے حصول میں بھی کوشاں رہے۔

رسالتمآبؐ کے بعد ہی ان کے وصی امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کو جس صورت حال سے مقابلہ کرنا پڑا وہ تاریخ کے اوراق پر اب تک موجود ہے۔ یہ بھی معلوم ہے کہ علیؑ کی تلوار تنہا وہ تھی جس نے جوانی میں احد وخیبر وخندق ایسی لڑائیاں فتح کیں اور بڑھاپے میں جمل وصفین ونہروان ایسے معرکے سر کئے، وہ ادھیڑپن میں بھی ان کے پاس موجود تھی، ان کے بازوؤں کی طاقت اور دل کی قوت نے بھی جواب نہ دیا تھا، پھر کیا تھا کہ اپنے حقوق کو ضائع ہونے دیا، اپنے دروازہ پر لکڑیاں جمع ہوتے دیکھیں، اپنے گلے میں رسی بندھوائی اور سب سے بڑھ کر معصومہ کبریٰ فاطمہ زہراؑ پر وہ مظالم ہوتے دیکھے جن کا تذکرہ بھی دلدوز ہے لیکن صبر کیا۔ بیشک مقہور قبیلہ بنی امیہ کے بزرگ خاندان ابوسفیان نے آکر کہا تھا: ''لَوْ شِئْتُ لَمَلَئْتُهَا خَيلاً وَرِجالاً''، ''اگر آپ چاہیں تو مدینہ کو میں آپ کی مدد کے واسطے سوار و پیادہ سے بھر دوں''، لیکن روحانیت اسلام کے محافظ، امن وامان کے حامی امیر المومنینؑ نے ابوسفیان کو تلخ ترین جواب دیا جس کے بعد اس کو کچھ کہنے کی بھی جرأت نہیں ہوئی۔ انھوں نے کہا: ''مَا زِلْتَ عَدُوًّا لِلْاِسْلَامِ فِی جَاهِلِيَّتِکَ وَاِسْلَامِکَ''، ''تو اسلام کی عداوت سے باز نہ آیا جاہلیت میں بھی اور اسلام میں بھی'' وہ خوب جانتے تھے کہ بحالت موجودہ تلوار اٹھانا اسلام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا کردے گا، ان کو معلوم تھا کہ اس وقت شمشیر انتقام کا نیام سے کھینچنا تمام ملک کو خونریزی کے

عظیم سمندر میں ڈبو دینا ہے۔ انھوں نے ملک کے مفاد کو اپنے شخصی مفاد پر مقدم رکھا، اور ۲۵ ربرس خانہ نشینی میں گذار دیئے۔ انھوں نے اپنی بلند حوصلگی و عالی ظرفی کے تقاضا سے کبھی حکومت وقت کو مشکل اوقات میں امکانی امداد پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ مشورے دیئے مسائل کو حل کیا، قضایا کو فیصل کیا یہ سب اس لئے کہ نظام مملکت میں انتشار نہ ہو اور اسلام کا شیرازہ بکھرنے نہ پائے۔

دوسروں کے برسر اقتدار ہونے پر زبانی احتجاج واستدلال پر اکتفاء اور عملی حیثیت سے سکوت کر کے انھوں نے ثابت کر دیا کہ ہم صرف اپنے ذاتی مفاد کے لئے اگر چہ وہ جائز حقوق کی حفاظت کے لئے ہو جارحانہ اقدام نہیں کرتے اور خود اپنی طرف سے دنیا کے امن وامان کو صدمہ نہیں پہنچاتے۔

بیشک جب مسلمانوں کے اتفاق آرا واکثریت نے بلانزاع واختلاف خود آپ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور نظام حکومت کی ذمہ داریاں آپ کی طرف عائد ہوگئیں تو ایسے لوگ جنھوں نے ذاتی اغراض کے ماتحت اسلامی نظم ونسق کو درہم برہم اور عالم اسلامی کے شیرازہ کو منتشر اور اس کے امن وامان کو فنا کرنا چاہا ان کے تادیبی مہم کی جانب توجہ مبذول کرنا ضروری تھی جو خالص مدافعانہ حیثیت سے انجام پذیر ہوئی۔

صفین کی تحکیم کے بعد امیر معاویہ کے لئے ایک مضبوط اقتدار حاصل ہو گیا تھا اور شام ومصر وغیرہ میں ان کی سلطنت پورے طور پر قائم، اس طرف امیر المومنینؑ کی شہادت اور حسن مجتبیٰؑ کے برسر حکومت ہونے نے صورت حال میں ذرا تازگی پیدا کر دی تھی اور اس لئے حسنؑ مجتبیٰ کا معاویہ سے برسر پیکار ہونا جس کے لئے امیر المومنینؑ کے بقیہ ساتھی بے چین تھے ایک حد تک جارحانہ صورت اور ملک گیری کی خواہش میں امن سوزی کا شائبہ رکھتا تھا اس لئے امام حسنؑ نے صلح کر لی اور دنیا کو دکھلا دیا کہ اجتماعی شیرازہ بندی کے لئے کس طرح شخصی منافع کو پامال ہونے دیا جاتا ہے۔ انھوں نے اس صلح کے بعد طرح طرح کے مصائب جھیلے دشمنوں اور ظاہری دوستوں کی زبان سے سخت وست کلمات سنے اور دل آزار طعن وتشنیع اور روح فرسا الزامات کو برداشت کیا، یہ سب کس لئے؟ صرف امن وامان اور عام افراد کے راحت واطمینان کی خاطر۔

دس برس تک امام حسینؑ کا بھی صبر آزما اذیتوں کے باوجود تحمل سے کام لینا صرف اسی کی خاطر تھا اور وہ یزید کے خلیفہ ہو جانے پر بھی سکوت ہی سے کام لیتے اگر خود ان سے بیعت طلب نہ ہوتی، جس بیعت کو وہ اسلام کے لئے مہلک ترین ضرب سمجھتے تھے اور وہ تھی بھی ایسی، لہٰذا انھوں نے صرف مفاد اسلامی کی خاطر بیعت سے گریز کیا۔ اگر انھیں لڑنا ہی منظور ہوتا اور یزید سے مقابلہ کرنا تو وہ مدینہ میں رہ کر ہی اطراف وجوانب میں خطوط لکھتے اور ایک بڑا لشکر جمع کرتے یا مکہ میں طائف ویمن کے شہروں سے امداد حاصل کرتے جو علی ابن ابی طالبؑ کے شیعوں سے چھلک رہے تھے۔

لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا، انھیں تو ملک میں فتنہ وفساد کے شعلوں کو بھڑکانا منظور نہ تھا، وہ امن وامان کو ہر چیز پر مقدم سمجھتے تھے۔ بس وہ بیعت سے فرار کئے ہوئے ایک جگہ سے دوسری جگہ اور دوسری سے تیسری جگہ جا رہے تھے

اور یہی مسلک ان کا آخر تک باقی رہا۔

انھوں نے کربلا پہنچنے کے بعد آخری وقت فرصت تک بھی عمر بن سعد کو فہمائش کی ہے اور کہا ہے کہ مجھ کو پہاڑوں میں چلا جانے دو، ملک عرب کے حدود سے باہر نکل جانے دو لیکن جب معلوم ہوگیا کہ فریق مقابل کے ہزاروں تلواروں نیزوں کو صرف حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کے خون کی ضرورت ہے اور کچھ نہیں ہے تو وہ کمال بلند حوصلگی سے اس کے لئے تیار ہوگئے اور روز عاشور کے مرقع کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے خون سے رنگین بنا گئے۔

سید سجادؑ اور ان کے بعد سے امام حسن عسکریؑ تک تمام ائمہ معصومینؑ کی عمریں بھی بالکل خاموشی میں گذریں، انھوں نے جیل خانوں میں رہنا، نظر بند ہونا، غل و زنجیر کا پہننا اور تنہائی میں بسر کرنا گوارا کیا لیکن کبھی اپنے متبعین کو جنگ کی طرف دعوت نہیں دی بلکہ ہمیشہ خود اپنے خاندان میں سے ان لوگوں کے افعال سے برأت کی جنھوں نے شمشیر انتقام کو کھینچ کر آتش حرب کو مشتعل کرنا چاہا اور اپنے ساتھیوں کو ان کا ساتھ دینے سے ممانعت کی۔

یہ سب کس لئے؟ ملک کے امن وامان، عالم کے راحت واطمینان کی خاطر۔

اس امن پسندی وعافیت گزینی کے باوجود تجربوں نے بتلایا کہ صرف ان کے ذاتی کمالات کے باعث جو فطرۃً لوگوں کی گرویدگی کا باعث تھے دنیا ان کی زندگی کی دشمن ہے اور اس لئے برابر اُن کی زندگی کے چراغ دشمنوں کے ظلم واستبداد کی آندھیوں سے خاموش ہوتے رہے جس کو انھوں نے کامل صبر وتحمل کے ساتھ انگیز کیا اس لئے کہ ابھی امامت کا سلسلہ باقی تھا۔ وہ اپنی زندگی کو ختم کرکے امامت کی ذمہ داریاں ایک دوسری ہستی کے سپرد کر جاتے تھے۔

لیکن نوبت آئی امام ثانی عشر کی، وہ جن پر اس سلسلہ کا اختتام اور اس نظام کی انتہاء ہے، دنیا واہل دنیا کی افتاد طبع دیکھتے ہوئے یہ امر ناگزیر ہے کہ ان کی نسبت بھی ارباب دولت واقتدار کا رویہ وہی رہے جو ان کے قبل ان کے اجداد کے ساتھ رہا کیا یعنی وہ زندگی کے ہر نفس میں ان کی زندگی کو فنا کرنے کے درپے رہیں اور باطنی ضرب یا ظاہری ضرب شمشیر سے ان کے روح وبدن میں جدائی ڈالنا چاہیں۔

اب دو حال سے خالی نہیں یا تو قدرت ان کو کافی قابو دے کر انھیں اپنے مقصد میں کامیاب ہوجانے دے اور امام صبر وسکون کے ساتھ اپنی جان کو جانے دیں۔ جیسا کہ اس کے قبل ہوتا رہا تو خدائی نصب العین ہاتھ سے گیا اور سلسلۂ امامت منقطع ہوگیا اس لئے کہ یہ پہلے سے طے ہوگیا ہے کہ ائمہ بس بارہ ہی ہونے والے تھے۔

اور یا ہر مرتبہ ان کی مدافعت ہو اور ان کی طاقتوں کو توڑنے، ان کے منصوبوں کو باطل کرنے، ان کے ارادوں کو ناکامیاب بنانے کے اسباب مہیا ہوں اور اس طرح امام کی حفاظت کی جائے تو کیا یہ تصادم وتقابل کا ایک غیر محدود سلسلہ نہ ہوگا اور کیا اس کے بعد دنیا کا امن وامان باقی رہ سکتا ہے؟

دنیا واہل دنیا کی اُفتاد طبع یہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ مقصد میں کامیابی ہو تو دوبارہ زیادہ ساز وسامان سے اس کی کوشش اور پھر ناکامیابی پر تبارہ اس سے زیادہ اور یونہی جب تک جان میں جان ہے کوشش کا سلسلہ قائم رہے اب ذرا صحیح تفکر کے ساتھ اس صورت کا اندازہ کرو تو تم کو مجسم طریقہ پر یہ

نظر آئے گا کہ اگر پہلی دفعہ انفرادی حیثیت سے گرفتاری یا قتل کی کوشش ہوئی اور وہ ناکامیاب ثابت ہوئی تو دوسری مرتبہ اجتماعی حیثیت سے چند آدمیوں کی معیت میں اوراس پر بھی مقصد نہ پورا ہوا تو ایک فوج کے ساتھ اور وہ ایک مرتبہ ناکام ثابت ہوئی تو دوبارہ اسلحہ کے اضافہ اور فوج کی زیادتی کے ساتھ اور اس طرح یہ ایک طویل سلسلہ ہوگا فتنۂ وفساد اور تصادم وتقابل کا جو دنیا سے صبر وسکون کو مفقود اور راحت واطمینان کو نایاب بنانے کا ذمہ دار ہے اس کے لئے صرف ایک یہی صورت کامیاب تھی کہ امامؑ کا وجود باقی رہے لیکن دنیا کی نظروں سے پوشیدہ اور لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل، اور وہ اسی پردہ میں رہ کر غیر محسوس طریقہ پر اپنے فرائض کو انجام دیں۔ اس میں نہ تو مقصد امامت کا فوت ہے اور نہ دنیا کے صبر وسکون میں خلل۔

امامؑ کی غیبت یقیناً دنیا کے امن وامان کی خاطر تھی جس کے ساتھ مقصد کا تحفظ بھی مضبوط طریقہ پر انجام پذیر ہو۔

ضرورت ہے ان کے وجود کی بھی اور ان کے غیبت کی بھی۔ کب تک؟ جب تک کہ خدا کو اس کارگاہ عالم ہستی کا ایک طویل مدت تک باقی رکھنا منظور ہے۔ بیشک جب دنیا کی عمر قریب ختم پہنچے اور یوم موعود نزدیک، اس وقت ہدایت خلق کی تمام مضمر طاقتوں کے ظاہر ہوجانے کا وقت اور لِیُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ والے وعدہ کے پورا ہونے کا موقع ہے، وہ وہ زمانہ ہے کہ پردۂ غیبت چاک ہو اور امام عصرؑ ظہور فرمائیں۔

ان کی حقانیت کا ثبوت بھی شمشیر وخنجر اور تیر وتفنگ کی طاقتوں کا ممنون احسان نہ ہوگا بلکہ آسمانی نشانیاں اور کائنات عالم کی متفقہ گواہیاں اور خداوندی آیات وعلامات کی متواتر تجلیاں ان کے ظہور کے قبل وبعد ان کی نقاہت کا فرض انجام دے کر افراد بشر کے سامنے ان کا بہتر سے بہتر تعارف کرادیں گی جن کے بعد کسی منکر کے لئے حیلہ حوالہ اور شک وشبہہ کی گنجائش باقی نہ رہے گی۔ ان کا ظہور بالکل اپنے جد امجد اور مورث اعلیٰ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کی تصویر ہوگا اور اسی صورت سے اعلاء کلمۃ الحق ان کا نصب العین لیکن جس طرح رسولؐ کو تلوار اٹھانا پڑی ان لوگوں کے ہاتھوں مجبور ہوکر جو خود آپ کی تحریک کو پامال کرنے کے لئے خونریزی وامن سوزی پر آمادہ ہوگئے تھے اسی طرح ان کے مقابلہ میں خود وہ جنھیں اپنے باطل اقتدار کی بنیادوں میں اس حقانی طاقت کے ہاتھوں زلزلہ محسوس ہوگا وہ اس کی بیخ کنی پر ہر امکانی جدوجہد سے آمادہ ہوجائیں گے اور آپ کے مقابلہ میں صف آرائی وفوج کشی میں اپنی منصوبہ بازیاں صرف کردیں گے جس کا ردعمل یہی ہے کہ ان کی ہمتوں کو پست اور ان کی طاقتوں کو مضمحل اور ان کے ارادوں کو شکست دے کر دین حق کو محفوظ اور اس کے بول کو بالا رکھا جائے اور اس طرح لِیُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کا وعدہ پورا ہو۔

یہ حقیقت حال سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے کہ حضرت حجت کی ان لڑائیوں پر اصول امن وامان کے تحت میں حرف گیری کی جائے جب کہ وہ لڑائیاں مدافعانہ حیثیت رکھتی ہیں اور امن وامان کی حفاظت کے لئے ان لوگوں کی سرکوبی کے لئے ہیں جو شخصی اقتدار اور ذاتی استبداد کی خاطر اجتماعی روح حیات کو فنا اور امن وامان کی نظم کو درہم وبرہم کرنا چاہتے ہیں۔

اس طرح دینِ الٰہی کا دور دورہ تمام عالم میں منتشر ہوجائے گا اور حق وصداقت کا آفتاب، آفتابِ نیم روز بن کر دنیا میں چمکنے لگے گا، یہاں تک کہ حکم الٰہی پورا ہوا اور ہوائے فنا سے آخری چراغ امامت کی لو بھی محفوظ نہ رہے لیکن یہ وہ وقت ہوگا کہ جب دنیا کی بھی زندگی ختم ہے اور قیامت کے ہولناک اسرار وآثار کے ظہور کا وقت ہے۔

اس مطلب کی طرف خود جناب رسالتمآبؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متعدد حدیثوں میں بہت لطیف عنوان سے اشارہ فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو صواعق محرقہ ابن حجر مکی (مطبوعہ مصر ص ۱۱۴)

اَخْرَجَ اَبُوْ یَعْلٰی عَنْ سَلْمَۃِ بْنُ الْاَکْوَعِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ النُّجُوْمُ اَمَانٌ لِاَھْلِ السَّمَآئِ وَاَھْلُ بَیْتِیْ اَمَانٌ لِاُمَّتِیْ۔

''ستارے اہل آسمان کے لئے امن وامان کا باعث اور میرے اہلبیت میری امت کے لئے امن وامان کا ذریعہ ہیں۔''

اس روایت کو حضرت رسولؐ سے ابویعلی نے اپنی سند سے نقل کیا ہے۔

ایک دوسری روایت میں یوں ہے:

اَھْلُ بَیْتِیْ اَمَانٌ لِاَھْلِ الْاَرْضِ فَاِذَا ھَلَکَ اَھْلُ بَیْتِیْ جَآئَ اَھْلَ الْاَرْضِ مِنَ الْاٰیَاتِ مَا کَانُوْا یُوْعَدُوْنَ۔

''میرے اہلبیت اہل زمین کی حفاظت وامان کا سبب ہیں، بس جب میرے اہلبیت اُٹھ جائیں گے تو اہل زمین کے لئے وہ نشانیاں (آثار قیامت) ظاہر ہونا شروع ہوجائیں گی جن سے اُن کو ڈرایا جاتا رہا ہے۔''

امام احمد بن حنبل کی روایت ہے:

فَاِذَا ذَھَبَ النُّجُوْمُ ذَھَبَ اَھْلُ السَّمَآئِ وَاِذَا ذَھَبَ اَھْلُ بَیْتِیْ ذَھَبَ اَھْلُ الْاَرْضِ۔

''جب ستارے فنا ہوں گے تو اہل آسمان کی فنا کا وقت ہے اور جب میرے اہلبیت اُٹھیں گے تو بس پھر اہل زمین کے فنا ہونے کا وقت ہے۔''

علامہ ابن حجر نے صفحہ ۹۳ میں ان احادیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

وَذٰلِکَ عِنْدَ نُزُوْلِ الْمَھْدِیِّ لِمَا یَأْتِیْ فِیْ اَحَادِیْثِہٖ اَنَّ عِیْسٰی یُصَلِّیْ خَلْفَہٗ وَیَقْتُلُ الدَّجَّالَ فِیْ زَمَنِہٖ وَبَعْدَ ذٰلِکَ تَتَابَعُ الْاٰیَاتُ۔

''یہ صورت امام مہدیؑ کے ظہور کے بعد ہوگی اس لئے اُن احادیث میں یہ وارد ہوا ہے کہ عیسیٰ آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور دجال آپ کے زمانہ میں قتل کیا جائے گا، بس اس دور کے بعد آیات قدرت (آثار قیامت) پے در پے ظاہر ہونا شروع ہوجائیں گی۔

اس کے ساتھ اُن احادیث پر بھی نظر ڈالنا چاہئے جن میں خلفاء وآئمہ حقیقی کی تعداد بتلائی گئی ہے کہ وہ بارہ ہوں گے۔

ملاحظہ ہو ینابیع المودۃ مطبوعہ استنبول، ص ۲۴۵:

عَنِ الشَّعْبِیْ عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ بَیْنَا نَحْنُ عِنْدَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ نَعْرُضُ مَصَاحِفَنَا عَلَیْہِ اِذْ قَالَ لَہٗ فَتیً ھَلْ عَھِدَ اِلَیْکُمْ نَبِیُّکُمْ کَمْ یَکُوْنُ مِنْ بَعْدِہٖ خَلِیْفَۃً قَالَ اِنَّکَ لَحَدِیْثُ السِّنِّ وَاِنَّ ھٰذَا الشَّیْئَ مَا سَأَلَنِیْ عَنْہُ حَدٌ قَبْلَکَ نَعَمْ عَھِدَ اِلَیْنَا نَبِیُّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ یَکُوْنُ بَعْدَہٗ اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَۃً بِعَدَدِ نُقَبَآئِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ۔

''مسروق کی روایت ہے کہ ایک روز ہم ابن مسعود

کے پاس بیٹھے ہوئے اپنے قرآتوں کو پیش کر کے تصحیح کر رہے تھے کہ ایک مرتبہ ایک جوان نے ابن مسعود سے پوچھا: ''تمہارے نبی نے کسی قرارداد کے ذریعہ سے یہ بھی بتلایا ہے کہ ان کے بعد کتنے خلیفہ ہوں گے؟'' ابن مسعود نے کہا ''تم تو کمسن ہو اور یہ سوال ایسا ہے کہ جو تمہارے قبل کسی نے مجھ سے نہیں کیا تھا۔ ہاں بیشک ہمارے رسول نے ہم سے یہ عہد و پیمان قرار دیا ہے کہ آپ کے بعد نقبائے بنی اسرائیل کی تعداد کے موافق ۱۲ رخلفاء ہوں گے۔''

صحیح مسلم کی حدیث ہے:

لَا یَزَالُ الدِّیْنُ قَائِمًا حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ وَیَکُوْنَ عَلَیْهِمْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَةً کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ۔

''ہمیشہ دین قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت آئے اور تمام لوگوں کے رئیس بارہ خلیفہ ہوں گے جو سب قریش سے ہوں گے۔''

دین کے قیامت تک قائم رہنے کی تمہید کے ساتھ افراد بشر میں ۱۲ رخلفاء ہونے کی خبر دینا صاف طور سے بتلاتا ہے کہ وفات رسولؐ سے روز قیامت تک کی مجموعی مقدار کہ جس میں دین کا قیام و بقاء ہے پورے ۱۲ رخلفاء پر منقسم ہے خصوصاً جب اس کے ساتھ ضمیمہ لگایا جاتا ہے۔

سنن ابوداؤد کی روایت ہے کہ

لَا یَزَالُ هٰذَا الدِّیْنُ عَزِیْزًا اِلٰی اِثْنَیْ عَشَرَ خَلِیْفَةً کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ۔

''ہمیشہ یہ دین عزت دار رہے گا جب تک کہ ۱۲ رخلفاء کا سلسلہ باقی رہے جو سب قریش سے ہیں۔''

اور صحیحین کی دوسری حدیث:

لَا یَزَالُ اَمْرُ النَّاسِ مَاضِیًا مَا وَلِیَهُمْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَةً کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ۔

''لوگوں کا دین اس وقت تک جاری و نافذ رہے گا کہ جب تک ۱۲ رخلفاء ان کے والی ہیں کہ جو سب قریش سے ہوں گے۔''

اور تیسری روایت:

اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ لَا یَنْقَضِیْ حَتّٰی یَمْضِیَ فِیْهِمْ اِثْنَا عَشَرَ خَلِیْفَةً کُلُّهُمْ مِنْ قُرَیْشٍ۔

''یہ امر دین منقضی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ بارہ خلفاء گذر نہ جائیں جو سب کے سب قریش ہوں گے۔''

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ دین کا قیام و بقاء ان خلفاء کے دم تک ہے اور پہلی حدیث میں تصریح ہے کہ دین کا قیام و بقاء روز قیامت تک ہے، اس سے صریحی نتیجہ نکلتا ہے کہ ان بارہ خلفاء کو وفات رسولؐ سے لے کر قیامت تک کی مجموعی مدت میں موجود رہنا چاہئے۔

تاج و تخت کے مالک ظاہری خلفاء کا حساب کیا جائے تو شروع سے لے کر اس وقت تک کی مجموعی تعداد کئی درجنوں تک پہنچتی ہے اور اب تو بالکل ''آن قدح بشکست وآن ساقی نماند'' کے مطابق وہ سلسلہ ہی ختم ہو گیا۔ اگر رسول کے کلام میں سچائی کا جوہر ہونا ضروری سمجھا جائے تو یہ احادیث ائمہ اثنا عشر علیہم السلام کی خلافت کے لئے نص صریح نظر آئیں گی اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ انہی کے وجود تک شیرازۂ عالم قائم ہے اور ان کے بعد قیامت آنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

(جاری)